مولانا محمد جعفر پھلواروی

ایک حدیث :

اکلِ حلال

صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے آنحضورؐ کا ایک ارشاد یوں مروی ہے :

ایھا الناس ان اللہ طیب لایقبل الا طیبًا۔ وان اللہ امر المومنین بما امر به المرسلین فقال : یاایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا انی بما تعملون علیم ہ وقال یاایھا الذین امنوا کلوا من طیبت مارزقنکم۔ ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیه الی السماء یارب یارب، ومطعمه حرام ومشربه حرام و ملبسه حرام وغذی بالحرام انّٰی یستجاب لذلک؟

اے لوگو! اللہ پاک اور ستھرا ہے اور ستھری ہی چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ نے مومن کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم پیغمبروں کو دیا ہے۔ وہ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے کہ : اے رسولو! پاک اور ستھری چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ تم جو کچھ کرتے ہو میں اس سے واقف ہوں۔ نیز فرمایا کہ "مسلما! تو ہم نے تمھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے پاک اور ستھری چیزیں کھاؤ۔" اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا: ایک شخص لمبا سفر کر کے بکھرے بالوں کے ساتھ غبار میں اٹا ہوا آتا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر ربی ربی کہتا ہوا دعا مانگتا ہے مگر اس کا کھانا، پینا، پوشاک اور نشو و نما سب کچھ حرام کمائی سے ہوتا ہے تو اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی؟

یہ حدیث سنن دارمی اور مسند احمد میں بھی ہے اور اس کے علاوہ اس مضمون کی احادیث اور بھی ہیں۔

اگر ہم پورے غور و خوض سے کام لیں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ معاشیات کا مسئلہ کچھ آج ہی کے دور کا مسئلہ نہیں۔ یہ ہمیشہ سے بنیادی مسئلہ رہا ہے اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں جس نے دعوتِ ایمانی میں معاشی عدل کو اہم جزو کی حیثیت سے شامل نہ کیا ہو۔ خدا نے ساری کائنات انسان ہی کے فائدے

کے لیے پیدا کی ہے: خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔[۱] لیکن اس کے استعمال پر چند پابندیاں لگا دی ہیں۔ دو قسم کی چیزیں ایسی ہیں جن کے استعمال کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ایک قسم وہ ہے کہ چیز فی نفسہٖ حلال ہے لیکن اس کا طریقہ یا ذریعہ حرام ہے مثلاً مرغی حلال ہے لیکن جو مرغی رشوت میں لی گئی ہو یا مردار ہو وہ قطعی حرام ہے۔ دوسری قسم ایسی چیزوں کی ہے جو فی نفسہٖ حرام ہیں اگرچہ ذریعہ اور طریقہ بالکل جائز و صحیح ہو۔ مثلاً ایک شخص بالکل پاک کمائی سے خنزیر خریدے اور تکبیر پڑھ کر اسے ذبح کرے جب بھی وہ حرام ہی رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ حلال صرف وہ چیز ہے جو فی نفسہٖ حلال ہو اور اس کے استعمال کا ذریعہ و طریقہ بھی حلال ہو۔

حرام ذرائع میں جبر، ظلم، چوری، رشوت، ربا، جوا، استحصال، لوٹ مار، احتکار، ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، دھوکا، گراں فروشی، اٹکل تجارت کی تمام قسمیں، اکتناز اور مفت خوری وغیرہ سب داخل ہیں۔

اور وہ چیزیں جو فی نفسہٖ حرام ہیں خواہ وہ کیسے ہی حلال ذریعے سے حاصل کی جائیں نمبروار یہ ہیں:[۲]

۱۔ حرمت علیکم المیتۃ (جو حلال چوپایہ خود مر گیا ہو)

۲۔ والدم (بہتا خون جسے دوسری جگہ دمًا مسفوحًا کہا گیا ہے)[۳]

۳۔ ولحم الخنزیر (سؤر کا گوشت)

۴۔ وما اھل لغیر اللہ بہٖ (تمام غیر اللہ کے چڑھاوے)

۵۔ والمنخنقۃ (جس حلال چوپائے کو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو)

۶۔ والموقوذۃ (یا وہ ٹکر لگنے سے مر گیا ہو)

۷۔ والمتردیۃ (یا اونچائی سے گر کر مر گیا ہو) ۸۔ والنطیحۃ (یا سینگ لگنے سے مر گیا ہو)

۹۔ وما اکل السبع الا ما ذکیتم (یا اسے درندے نے کھانا شروع کیا ہو اور تم اسے ذبح نہ کر سکے ہو)

---

[۱] ۲: ۲۹ [۲] سورہ مائدہ: ۳ [۳] انعام: ۱۴۵

۱۰۔ وما ذبح علی النصب (جو حلال چوپایہ تھان پر ذبح کیا گیا ہو)

۱۱۔ وان تستقسموا بالازلام (پانسوں کے ذریعے قسمت معلوم کرنا)

ذٰلکم فسق ط (یہ سب فسق ہیں)

یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو فی نفسہٖ حرام ہیں خواہ کیسے ہی حلال ذریعے اور جائز طریقے سے استعمال میں لائی جائیں۔ ان میں نمبر ۱، ۲، ۳، ۴ کا ذکر بقرہ: ۱۷۳، انعام: ۱۴۵، نحل: ۱۱۵ میں بھی ہے۔

ایک اور حرام چیز کا ذکر سورۂ انعام آیت: ۱۲۲ میں یوں ہے:

ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق ط

جس چیز پہ اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ۔ یہ تو یقیناً فسق ہے۔

یہاں اگرچہ "حرام" کا لفظ تو نہیں لیکن ایسی چیز کو کھانے کی ممانعت کے ساتھ اسے فسق کہا گیا ہے۔ اسی طرح جس طرح ما اھل بہ لغیر اللہ کو فسقاً اھل لغیر اللہ بہ کہا گیا ہے[۱]۔ ازلام کو فسق بھی کہا گیا ہے اور رجس (پلیدی) بھی[۲]۔ لحم خنزیر کو بھی خمر، میسر اور انصاب کی طرح رجس کہا گیا ہے[۳]۔

پس رجس ہو یا فسق یا حرام سب یکساں واجب الترک ہیں اور اضطرار کے سوا کسی موقعے پر ان میں سے کسی چیز کا استعمال قطعی ناجائز ہے۔

ان تمام مذکورہ چیزوں میں ہر چیز بالکل واضح ہے لیکن جس چیز کا سمجھنا سب سے زیادہ مشکل نظر آتا ہے وہ ہے: ما اھل لغیر اللہ بہ۔ ایک تو یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کا صحیح ترجمہ اور مفہوم کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اس کی ذیل میں کیا کیا چیزیں آتی ہیں؟

المعجم الوسیط میں اس کے معنی یوں لکھے ہیں:

اھلّ الذابح بالضحیۃ: رفع صوتہ ذاکراً اسمَ مَن تُقدَّم الضحیۃ قرباناً لہ۔

اھلّ الذابح بالضحیۃ کے معنی ہیں بہ آواز بلند اس کا نام لیا جس کے تقرب کے لیے وہ

---

[۱] انعام: ۱۴۵ [۲] مائدہ: ۹۰ [۳] انعام: ۱۴۵

قربانی پیش کی گئی ہو۔ یہاں چند سوال پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ذبح کرنے والا جس کا تقرب چاہتا ہے اس کا نام اتنی بلند آواز سے لے کہ نزدیک اور دور کا ہر شخص سن لے؟

۲۔ اگر اس کی آواز اتنی پست ہو کہ دوسرے نہ سن سکیں یا دل میں کہے جسے وہ خود بھی نہ سن سکے تو اس کا کیا حکم ہوگا!

۳۔ اگر قربانی کا جانور نہ ہو بلکہ کوئی اور چیز مثلاً مٹھائی، کھانا، کپڑا، روپیہ، پیسہ وغیرہ ہو تو وہ اس ذیل میں آئے گا یا نہیں؟

۴۔ نمبر ۱ میں جو وما ذبح علی النصب (تھانوں پر ذبح کیے جانے والے حلال چوپائے) فرمایا گیا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے نمبر ۲ میں ما اھل لغیر اللہ بہ کہا گیا ہے یا اس سے کوئی الگ چیز ہے؟

ان سوالات کے جواب پر ما اھل بہ لغیر اللہ کا مفہوم سمجھنا موقوف ہے۔ میں جو کچھ غور کر سکا ہوں وہ یہ ہے:

(۱و۲) بآواز بلند مطلوب التقرب کا نام لینے کا مطلب چیخ چیخ کر ہر فرد کو سنانا نہیں بلکہ ایسا اعلان ہے کہ جس سے لوگوں کو علم ہو جائے کہ اس سے فلاں کا تقرب مقصود ہے۔ اس اعلان کا اپنے کانوں سے سننا ضروری نہیں۔ اگر ایک مسلمان ایک میل پر ذبیحے کا گوشت بھیجے تو اس کا مسلمان ہونا اس بات کے لیے واضح قرینہ ہے کہ اس نے اس پر اللہ ہی کا نام لیا ہوگا اور اس سے اللہ ہی کا تقرب مقصود ہے لیکن اگر یہ علم ہو جائے کہ اس مسلمان نے اپنا مذبح ہوتے ہوئے مشرکوں کے تھان پر ذبح کیا ہے تو یہ قرینہ اس بات کا ہوگا کہ اس سے کسی غیر اللہ کا تقرب مقصود ہے۔ اگر کوئی مسلمان "کالی مائی" پر بکرا چڑھائے تو خواہ بسم اللہ اللہ اکبر ہی کہہ کر اور صحیح طریقے سے اسے ذبح کیا ہو، وہ حرام ہوگا۔ کیونکہ کالی مائی کے پاس لے جانا ہی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ مقصود غیر اللہ کا تقرب ہے۔ پس آواز لگانے کی قید ایک اتفاقی قید ہے۔ مقصود صرف علم ہو جانا ہے جس کے لیے قرینۂ واضحہ بالکل کافی ہے۔

۳۔ اگر اللہ کے تقرب کے لیے قربانی درست عبادت ہے تو دوسری چیزیں بھی درست عبادت

ہیں - خواہ وہ روپیہ پیسہ ہو یا کپڑا یا مٹھائی یا کھانا۔ اور غیراللہ کے تقرب کے لیے یہ ساری چیزیں ناجائز ہیں- اس لیے ان کا استعمال بھی ناجائز ہونا چاہیے۔ مقصود کس کا تقرب ہے، یہ قرائن ہی سے واضح ہوجاتا ہے- یہ بات بہت غیر منطقی ہے کہ کسی غیراللہ (مثلاً بت) پر چوپایہ چڑھایا جائے- تو وہ حرام ہو اور مٹھائی، کپڑا، کھانا، روپیہ چڑھایا جائے تو وہ جائز ٹھہرے-

۴- نمبرا میں حرمت علیکم المیتۃ ہے -یعنی مردار حرام ہے - آگے مردار ہی کی پانچ قسمیں (نمبر ۵ تا نمبر ۹) بتائی گئی ہیں - اس فرق کے ساتھ کہ میتۃ وہ ہے جو اپنی موت مرجائے - اور منخنقۃ، متردیہ، موقوذہ، نطیحۃ اور ما اکل السبع- اگرچہ نتیجے کے اعتبار سے میتہ ہی ہیں-لیکن یہ وہ میتہ نہیں جو آپ اپنی موت مریں بلکہ ان کی موت کا سبب خارجی حادثہ (ایکسیڈنٹ) ہے-ان میں سے کسی کے مرنے سے پہلے اگر تذکیہ (تکبیر کے ساتھ باقاعدہ ذبح کا عمل) ہو جائے تو وہ جائز وحلال ہوگا-

الا ما ذکیتم کا تعلق پانچوں چیزوں سے ہے-پس جس طرح میتہ میں یہ پانچوں چیزیں داخل ہیں اسی طرح ما اھل لغیر اللہ بہ میں وما ذبح علی النصب داخل ہے -دونوں ہی چڑھاوے ہیں اور غیراللہ ہی کا تقرب مقصود ہوتا ہے -اس فرق کے ساتھ کہ ایک چیز ذبح کی جاتی ہے دوسری چیزیں ذبح نہیں کی جاتیں- تھان کے ذبیحے اسی لیے حرام ہیں کہ ان سے غیراللہ کا تقرب مقصود ہوتا ہے خواہ اس کا اعلان کیا جائے یا نہ کیا جائے -تھان پر لے جانا ہی غیراللہ کے تقرب کا واضح قرینہ ہے -یہ نُصُب یعنی تھان وضع ہی کیے گئے تھے غیراللہ کے لیے- اگر کوئی قربان گاہ اللہ کے لیے بنائی جائے تو اس کا ذبیحہ بلاشبہ جائز ہے - پس ما اھل لغیر اللہ بہ ایک عام حکم ہے جس میں تمام طرح کے چڑھاوے داخل ہیں اور وما ذبح علی النصب بھی اسی کی ایک قسم ہے جسے خصوصیت ذبح کی وجہ سے الگ بیان کیا گیا ہے -

ان دونوں کو دو الگ الگ چیزیں ماننے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں- اس صورت میں ما اھل بہ لغیر اللہ کے معنی یہ ہوں گے - ہر وہ چیز حرام ہے جس کے متعلق یہ اعلان یعنی علم ہو جائے کہ یہ غیراللہ کے تقرب کے لیے ہے اور وما ذبح علی النصب کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر وہ ذبیحہ حرام ہے جس کے متعلق پہلے ہی علم ہو کہ یہ غیراللہ کے تقرب کے لیے ہے۔

یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ غیراللہ کے تقرب کا علم ہوجانا کافی ہے -اس کے لیے یہ

ضروری نہیں کہ ہر ایک کے کان میں اعلان کی آواز بھی پہنچے۔ صرف قرینہ واثقہ ہونا کافی ہے۔

توحید کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے۔ اسے شرک کا ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ بھی گوارا نہیں، پوجا خواہ کسی بُت کی ہو یا کسی پیغمبر کی، اسلام کے نزدیک دونوں یکساں شرک ہیں۔ یہ سمجھنا قطعی غلط ہے کہ کسی بزرگ یا ولی یا پیغمبر کے ساتھ کوئی مشرکانہ کام کیا جائے تو وہ شرک کچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

علمائے کرام کو جلد سے جلد اس کا فیصلہ کرنا چاہیے کہ قبروں، تعزیوں اور گھوڑوں پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں وہ توحید سے قریب لے جاتے ہیں یا توحید سے دور کر دیتے ہیں؟ اور یہ ما اھل لغیر اللہ بہ کی زد میں آتے ہیں یا نہیں؟ خیر قرون میں تو اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ پس اگر نصًا اسے حرام نہ کہا جا سکے تو حلال کہنا بھی مشکل ہے۔ اس کے مشتبہ ہونے میں تو کسی قسم کا کوئی شبہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے موقعوں پر سیدنا امیر المومنین عمر فاروق صلوات اللہ علیہ کے اصول پر عمل کرنا بہرحال اقرب الی الصواب ہے۔ آپؓ نے فرمایا: دعوا الربوا والریبہ۔ ربا کو بھی چھوڑو اور اسے بھی جس میں ربا کا شبہہ ہو۔ اس اصول سے ہر وہ آمدنی قابلِ اجتناب ہے جس میں ما اھل بہ لغیر اللہ کا ادنیٰ سا بھی شائبہ پایا جائے۔

آپ ذرا سوچیے۔ ایک شخص اپنے گھر سے چل کر دور کسی مزار پر کھانا، کپڑا، مٹھائی یا نقدی لے جا کر چڑھاتا ہے۔ پوچھیے تو شاید یہی کہے گا کہ اللہ کے واسطے یہ سب کچھ لایا ہوں۔ اس سے غریبوں کو فائدہ ہوگا۔ رفاہ عام میں کام آئے گا وغیرہ وغیرہ۔" لیکن اس سے دریافت کیجیے کہ یہ مقاصد تم اپنے محلے یا گاؤں یا شہر میں پورے کر سکتے تھے۔ پھر یہاں مزار تک لانے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ جہاں مستحق و غیر مستحق ہر طرح کے لینے والے موجود ہوتے ہیں اور کسی محنت کے بغیر مزار کی آمدنی پر گزارہ کرتے ہیں۔ اگر تمہارا مقصد ایصال ثواب ہے تو اسی بزرگ کو اپنے گھر سے اس کا ثواب پہنچا سکتے تھے۔ خاص طور پر یہاں لا کر چڑھانے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟" ہم نہیں جانتے کہ وہ ان سوالوں کا کیا جواب دے گا لیکن اس کے دل کی گہرائیوں میں جو بات پوشیدہ ہوگی وہ صرف یہ کہ یہاں پر چڑھاوے لانے سے برکت ہوگی۔ یہ بزرگ خوش ہوں گے اور ان کے طفیل ہماری مراد پوری ہو جائے گی۔" معلوم نہیں "تقرب" کا اور کیا مفہوم ہے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بزرگوں کا تقرب حاصل کرنا اچھی ہی بات ہے۔ یہ بھی تقرب الٰہی کا

ذریعہ ہوتا ہے۔ لیکن پھر ان لوگوں کا کیا قصور ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ (ہم تو ان معبودوں کی بندگی کرتے ہی اس لیے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا تقرب عطا کریں گے)[1] ہمیں دیکھنا صرف یہ چاہیے کہ کیا اللہ نے چڑھاووں کے ذریعے بزرگوں اور بزرگوں کے ذریعے تقرب الی اللہ حاصل کرنے کی اجازت دی ہے؟

بہرحال اس طرح کے چڑھاووں میں ما اھل بہ لغیر اللہ کا شائبہ پوری طرح موجود ہے اور اس قسم کی آمدنی کو اگر خرچ ہی کرنا ہے تو صرف ان لوگوں پر صرف کرنا چاہیے جن پر حالتِ اضطرار طاری ہو۔ اہلِ اضطرار کے لیے تو تمام قسم کی حرام چیزیں غیر باغ ولا عاد کی شرط کے ساتھ جائز ہو جاتی ہیں[2]۔ مسجد کے کسی امام و خطیب و مؤذن وغیرہ کے لیے چڑھاووں کی آمدنی کبھی برکت و خیر کا سبب نہیں بن سکتی۔ شروع میں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس پر ہم سب کو غور کرنا چاہیے۔

مگر مشکل یہ ہے کہ جب ان چڑھاووں کو "تبرک" کا نام دے دیا جائے تو لوگوں کو گریز کی بجائے اور رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے اجتناب کیجیے تو بزرگوں کا منکر قرار دے دیا جائے گا۔ جن لوگوں کا گزارہ ہی اس قسم کے چڑھاووں پر ہو ان کے لیے اسے ناجائز ماننا بہت ہی دشوار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ خالص حلال آمدنی تو اس وقت دُور دُور تک نظر نہیں آتی۔ ہم سب کے سب اسی میں مبتلا ہیں لیکن توفیقِ الٰہی چیزوں کو چھوڑنے کی ہوتی ہے جن کے ناجائز ہونے کی تحقیق ہو جائے۔ ہم نے صرف اس لیے اس مسئلے کو چھیڑا ہے کہ علمائے کرام اور فقہائے عظام اس پر غور و خوض کر کے ایک نتیجے پر پہنچیں۔

[1] زمر: ۳ [2] بقرہ: ۱۷۳